OPEN ACCESS
Journal of Arabic Research (AIOU)
jar.aiou.edu.pk
iri.aiou.edu.pk

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری میں عربی زبان کے اثرات

❁ ڈاکٹر حاکم علی برڑو
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
❁❁ عرفان قیصر
پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

Abstract

Shah Abdul Latif was a philosopher, Sufi poet of Sindhi language, saint and scholar of Sindhi language. This research presents the influence of Arabic language on Latif's poetry. The purpose of this research is to highlight influence of Arabic language into Latif's poetry and understanding significant source of socio-political, ideology, historical conditions.

To evaluate the extent of the practice, the special circumstances under which Latif's poetry takes verses of Holy Quran at phrase and sentence level. The findings indicated influence of Arabic language, a greater degree of Quran verses practice into Latif's poetry.

Keywords: Shah Abdul Latif Bhitai, philosopher, Arabic language, Holy Quran, socio-political, Sufi poet of Sindhi, phrase and sentence level.

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ولادت 1689ء میں ضلع حیدرآباد کے تحصیل ہالا میں ہوئی۔ آپ کے والد سید حبیب شاہ قصبہ ہالا حویلی میں رہتے تھے، اور موصوف کا شمار اس علاقے کی برگزیدہ ہستیوں میں تھا۔ شاہ صاحب کی پیدائش کے متعلق مشہور ہے کہ سید حبیب نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں لیکن اولاد سے محروم رہے۔ آپ نے اپنی اس محرومی کا ذکر ایک درویش کامل سے کیا، جن کا اسم گرامی عبداللطیف بتایا جاتا ہے۔ موصوف نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ انشاءاللہ آپ کی مراد بر آئے گی، میری خواہش ہے کہ آپ اپنے بیٹے کا نام میرے نام پر عبداللطیف رکھیں، خدا نے چاہا تو وہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے یکتائے روزگار ہوگا۔

> "سید حبیب کی پہلی بیوی سے ایک بچہ پیدا ہوا درویش کی خواہش کے
> مطابق اس کا نام عبداللطیف رکھا گیا، لیکن وہ بچپن میں ہی فوت ہو گیا۔
> پھر اسی بیوی سے جب دوسرا لڑکا پیدا ہوا، تو اس کا نام بھی عبداللطیف

رکھا گیا۔ یہی لڑکا آئندہ چل کر درویش کی پیشن گوئی کے مطابق واقعی
یگانہ روزگار ثابت ہوا۔ شاہ بھٹائی کے آباواجداد سادات کے ایک اہم
خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب علی اور رسول خدا
حضرت محمدؐ مصطفی تک پہنچتا ہے۔"(1)

وادی سندھ کی تہذیب دریائے سندھ کی دین ہے۔ ھند کو (سندھکو) لہنداڈیرہ والی، پنجابی، سرائیکی، ملتانی اور سندھی میں بیشمار مشترکہ الفاظ پائے جاتے ہیں۔ جوایک ہی معنی اور مفہوم میں مری کی پہاڑیوں سے ساحل سمندر تک روز مرہ استعمال ہوتے ہیں۔ البتہ ہر علاقے میں ان کا تلفظ قدرے بدلتا جاتا ہے۔ ان قدیم زبانوں میں یہ قدر مشترکہ کسی اہم رشتے کی غمازی کرتی ہے۔

تاریخ کے مختلف ادوار میں وادی سندھ میں نہ معلوم کتنے شہر اور تہذیبی مرکز آباد ہوئے اور اجڑ گئے۔ موہن جودڑو (مہن کا ٹیلہ) اور ہڑپہ کی دریافتوں سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ہزارہا برس پہلے دنیا کے بیشتر علاقے جب تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے تو وادی سندھ میں لکھنے پڑھنے کا رواج تھا۔ ایسی قدیم زبان میں منطقی طور پر شعر و ادب کا ذخیرہ بھی اتنا ہی قدیم ہونا چاہیے۔ لیکن زمانے کی دست برد کی وجہ سے قدیم دور کی تحریریں یوں ضائع ہو گئیں کہ اب ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ موہن جودڑو سے جو نوشتے برآمد ہوئے ہیں ان کو اب تک پڑھا نہیں جاسکا۔ البتہ طلوع اسلام کے بعد ایسی تحریریں دریافت ہوئی ہیں جن سے اس دور میں سندھ کی پختہ علمی روایت کا ثبوت ملتا ہے۔ ابن بطوطہ جب سندھ میں آیا تو یہاں عربی اور سندھی دونوں زبانیں رائج تھیں۔ باور کیا جاتا ہے کہ حکمران طبقہ کی زبان عربی اور عوام کی سندھی ہوگی۔ کچھ اہل قلم عربی میں تو کچھ سندھی میں تصنیف وتالیف کرتے ہوں گے۔

روایت ہے کہ دیبل کے ایک غلام نے "مکاتب النبی" کے نام سے حضورؐ کے خطوط کا دنیا بھر میں اولین مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا ایک نسخہ دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں موجود ہے۔ سندھ کے عربی دارالخلافہ منصورہ کے ایسے متعدد سندھی علماء کا کتابوں میں ذکر آتا ہے جنہوں نے قرآن اور حدیث کے علوم میں ناموری حاصل کی۔ بزرگ بن شہریار نے اپنی تصنیف "عجائب الہند" میں منصورہ کے ایک عالم دین کا ذکر کیا ہے جس نے کشمیر کے راجا کو قرآن پاک کا ترجمہ سنایا تھا۔(2)

اسلامی روایت میں ادب کی آبیاری غالباً اسلامی تصوف نے کی۔ یوں تو ابتدائی صوفیانہ ادب سبھی احادیث سے مزین ہے لیکن کچھ صوفیاء سے ایسے اقوال صادر ہوئے ہیں۔ جو چونکا دینے والے ہیں ان صوفیاء میں بایزید بسطامیؒ (وفات 875ء) سر فہرست ہیں۔ جنہوں نے فرمایا تھا کہ "سجانی ہا اعظم شانی" ان اقوال کی بعد میں تاویل کی گئی اور کہا گیا کہ اگر ان کو عمیق نگاہ سے دیکھا جائے تو روحانیت سے بر لیز ہیں۔(3)

سندھ نے اسلامی تصوف کا بھرپور اثر قبول کیا، اس کی بنیادی طور پر دو وجوہات تھیں۔ ایک طلوع اسلام سے پہلے سندھ میں بدھ مت کا پیغام محبت۔ اس تاریخی پس منظر میں سندھی زبان کی کلاسیکی شاعری آج اسلامی تصوف کا ایک ایسا خوشنما منظر پیش کر رہی ہے جس کے چاروں طرف سدا بہار پھول مہک رہے ہیں تاہم اس چمن کے گل زریں شاہ عبداللطیف بھٹائی ہی ہیں۔

بیرون سندھ شاہ کو سندھی زبان کا عظیم ترین شاعر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن خود سندھ کے اندر آپ کی بنیادی پہچان ایک ولی اللہ کی ہے۔ پیشوگارہ کے متبرک خاندان کے مشہور ترین بزرگ پیر سید محمد راشدؒ (ولادت 1170ھ) نے عبدالرحیم گرھوڑی اور شاہ عبداللطیف کی طرح شعر کہے تھے۔ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ:

"اعلیٰ اور ارفع ہیں شاہ عبداللطیف بھٹائی، ان کی جتنی تعریف کی جائے کم
ہے، خداوند کریم ان پر راضی آپ نے سندھی زبان میں قرآن کو منتقل کیا۔
(4)

سر زمین سندھ کو باب اسلام کا درجہ بھی حاصل ہے۔ بر صغیر میں اسلام سندھ کے ذریعے پھیلا ہے۔

سندھی ادب کو بھی دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک شاہ سے پہلے دوسرا شاہ کے بعد۔ حقیقت یہ ہے کہ سندھ کا ہزار ہا برس کا تہذیبی سفر بھی شاہ کے بغیر نامکمل ہے۔ شاہ کی متبرک ذات میں ہی سندھ کی تہذیب اور ثقافت اپنے نقطہ عروج (Crowing Point) تک پہنچی۔ والٹ وٹمینز کا قول ہے کہ "عظیم شاعر کی ایک پہچان یہ ہے کہ جس شدت اس نے اپنے عوام سے محبت کی ہے اس کے اپنے عوام نے بھی اُسی والہانہ عقیدت سے اسے اپنایا ہے۔"(5)

شاہ عبداللطیف بھٹائی کا شمار دنیا کے صفِ اول کے شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کی شاعری پورے سندھ کے لسانی کلچر اور سندھی تہذیب کی بھرپور نمائندگی کرتی ہے۔ شاہ صاحب نے سندھی زبان اور ثقافت کو جس قدر مالا مال

کیا ہے اس کی مثال کسی فرد واحد کی زندگی میں مشکل سے ملے گی۔ سندھ کی دھرتی سال ھا سال سے انسانی ارتقا کے اہم مراحل کا حصہ رہی ہے۔ یہاں علم و فضل کا سورج بھی کبھی گہرے سیاہ بادلوں کی اوٹ میں چھپ جاتا ہے۔ اسی طرح سندھ کی دھرتی نشیب و فراز سے گزرتی اور انقلابات سے دوچار ہوتی رہی ہے۔ تاہم یہاں کی علمی اور تہذیبی روایات اپنی شناخت کے ساتھ دوبارہ ابھرتی رہی ہیں۔

دین اسلام کی تعلیمات کے اثرات جن جن علاقوں میں زیادہ نمایاں ہوئے ان میں سندھ کی دھرتی انتہائی قابل ذکر ہے۔ ہند آریائی اثرات اور اسلامی روایات نے مل کر ایک نئی اخلاقی، روحانی اور تہذیبی فضا پیدا کی۔ جو کبھی بھگتی تحریک کی شکل میں اور کبھی تصوف کے مختلف سلسلوں کی صورت میں اجاگر ہوئی۔ شاہ عبداللطیف کی تمام تر شاعری کا مرکز و محور مجاز سے حقیقت کی سمت کا سفر ہے۔ ان کے داستانی واقعات و کردار ایک ایسی ظاہری سطح رکھتے ہیں کہ عوام اور خواص یکساں طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ خود برصغیر پاک و ہند میں شاعری خواہ کسی زبان میں بھی کی گئی ہو اس میں تصوف کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ لیکن انیسویں صدی کے وسط اور مغربی نو آبادیاتی نظام نے رفتہ رفتہ یہاں کے اذہان کو زندگی کی دیگر صداقتوں پر توجہ دینے کی راہ دکھائی۔

شاہ عبدللطیف بھٹائی کے والد شاہ حبیب ایک صاحب علم شخصیت تھے اور اپنے عہد کے صاحبان علم سے ان کے تعلقات تھے۔ آپ جب بھی ان سے ملاقات کے لیے جاتے تو اپنے بیٹے کو ساتھ لے جاتے۔ اس طرح کم عمری میں ہی شاہ عبداللطیف کو صاحبان علم کی صحبت میسر آئی اور ان مجالس میں ہونے والی گفتگو اور مباحثوں نے ان کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

اگرچہ شاہ حبیب خود ایک عالم شخص تھے لیکن انہوں نے شاہ لطیف کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اپنے ایک عقیدت مند علامہ آخوند نور محمد بھٹی کو سونپی جنہوں نے آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ ایک روایت کے مطابق استاد نے جب شاہ صاحب کو "الف" پڑھایا اور "ب" پڑھنے کو کہا تو شاہ صاحب نے انکار کیا اور کہا کہ میرے لیے "الف" ہی کافی ہے۔ آخوند صاحب نے اس بات کا ذکر شاہ حبیب سے کیا تو انہیں اپنے مرشد کی پیش گوئی سچ ہوتی نظر آئی۔ دل میں تو وہ بہت خوش ہوئے لیکن بیٹے کو سمجھایا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ ہمارے لیے "الف" ہی کافی ہے لیکن خود شناسی کے لیے "الف" سے باہر بھی دیکھنا چاہیے اور اس کے لیے علم کا حصول ضروری ہے۔ والد صاحب کی نصیحت سن کر آپ نے تعلیم پر توجہ دی۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ آپ امی تھے لیکن یہ روایت صحیح معلوم نہیں

ہوتی۔ شاہ صاحب کا کلام اس بات کی گواہی ہے کہ آپ کو عربی، فارسی، سرائیکی، پنجابی ہندی، اور بلوچی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ تذکرہ نویس بتاتے ہیں ہیں کہ آپ قرآن پاک اور مثنوی مولانا روم کے علاوہ اپنے پر دادا شاہ کریم بلڑی والے کا کلام، بیان العارفین ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ کوئی خواندہ شخص ہی ایسا علمی خزانہ اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے۔ ان کے کلام میں قرآن واحادیث سے استفادہ، مولانا روم اور شاہ کریم بلڑی والے کی فکر کا عکس ان کے ناخواندہ ہونے کی روایت کی تردید کرتا ہے۔ مشہور محقق ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ نے تو واضح الفاظ میں کہا ہے کہ شاہ صاحب کو ناخواندہ کہنے والوں کو غلط ثابت کرنے کے لیے شاہ صاحب کا کلام ہی کافی ہے۔

بچپن میں صوفیائے کرام، بزرگان دین اور علماء کی صحبت نے شاہ صاحب پر جو گہرے نقوش مرتب کیے وہ قرآنی تعلیم سے مزید گہرے ہوئے۔ اپنے والد کی پرورش نے بھی ان کے روحانی رجحانات کو مضبوط بنانے اور ان کی شخصیت سازی میں اہم کردار ادا کیا۔ عمر کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب کا غور و فکر کا رجحان بھی بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرکے ویرانوں اور جنگلوں میں چلے جاتے، تنہائی میں عبادت کرتے اور غور و فکر میں مشغول رہتے (جن جن مقامات پر انہوں نے عبادات کیں ان کو تاریخی حیثیت حاصل ہے اور انہیں آثار لطیف کے طور پر محفوظ کر لیا گیا ہے)۔

شاہ حبیب نے بیٹے کے روحانی رجحان اور طریقہ ءعبادت کو دیکھا تو انہیں مٹیاری کے بزرگ سائیں ہاشم شاہ (جن سے آپ نے بیٹے کی پیدائش کے لیے دعا کروائی تھی) کے پاس لے گئے۔ بزرگ نے شاہ لطیف پر نظر ڈالی اور شاہ حبیب سے فرمایا: "آپ کا بیٹا ابھی منزل تک نہیں پہنچا" سائیں ہاشم شاہ کی بات شاہ لطیف کے دل میں اتر گئ اور جس منزل کا ہاشم شاہ نے اشارہ کیا تھا اس منزل تک پہنچنے کی ایسی طلب پیدا ہوئی کہ آپ کھانے پینے کی پرواہ کیے بغیر عبادت میں مشغول رہنے لگے اور جنگل ہی ان کا ٹھکانا بن گیا۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب کسی ویرانے میں عبادت میں اس قدر مشغول اور منہمک تھے کہ ہوا لگنے سے ریت ان کے جسم پر جم گئ۔ لیکن انہیں پتہ نہ چلا محویت کے اس علام میں دو تین دن گذر گئے۔ شاہ حبیب متفکر ہوئے، اور انہیں ڈھونڈنے نکلے اور دیکھا کہ وہ ویرانے میں اکیلے بیٹھے ہیں۔ اور ریت نے ان کے جسم کو ڈھانپ لیا ہے بیٹے کی حالت دیکھ کر شاہ حبیب کا دل بھر آیا اور آپ نے بیٹے سے مخاطب ہو کر فرمایا:

لڳي لڳي واءُ ويس انگڙا لٽجي

(ہوا چلی اور ریت نے جسم ڈھانپ لیا)

شاہ صاحب نے اپنے والد کی بات سنی اور لا بدیہ شعر کہا:

پئي ڪٽي پساھ، پسڻ ڪارڻ پرينءَ جي(6)

(محبوب کے دیدار کے لیے سانس کی ڈوری چل رہی ہے۔)

شاہ صاحب نے آگے بڑھ کر بیٹے کو سینے سے لگایا اور انہیں اپنے ساتھ کو لے آئے۔ شاہ صاحب کی عبادات کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا اور تین سال گذر گئے۔ شاہ حبیب نے سوچا کہ ان تین برسوں میں ان کے بیٹے نے وہ منزل پالی ہو گی جس کا سائیں ہاشم شاہ نے اشارہ کیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو پھر ہاشم شاہ کے پاس لے گئے جنہوں نے شاہ لطیف کو دیکھتے ہی شاہ حبیب کو مبارک باد دی اور کہا کہ اب آپ کے بیٹے نے وہ منزل حاصل کر لی ہے کہ جہاں وہ دوسروں کو فیض یاب کر سکیں۔ سائیں ہاشم شاہ کی بات سن کر شاہ حبیب بہت خوش ہوئے۔ وہ خود صاحب علم و عرفان تھے اور چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا بھی راہ طریقت کا روشن ستارہ بن کر چمکے اور اپنے خاندان کو فیض و فضل کا روشن مینار بنا دے۔ ان کی آرزو پوری ہوئی اور شاہ لطیف کو "حال" کا نہایت بلند مقام عطا ہوا۔

شاہ لطیف کے پاس اعلیٰ قدریں اجتماعیت، جُز کا کل میں سما جانا یا فرد کا سماج میں مل کر ایک ہونا، دونوں صورتوں میں بنا کسی فرق کے مل کر ایک ہو جانے کا ذکر ملتا ہے۔ شاہ لطیف کی شاعری میں تین زبانوں کا بہت گہرا اثر رہا ہے عربی، فارسی اور ہندی مگر سب سے زیادہ جس زبان کا اثر رہا ہے وہ ہے عربی زبان۔ ڈاکٹر ایچ ٹی سورلے اپنی تھیسز "Shah Abdul Latif of Bhit" میں لکھتے ہیں:

"سندھی ادب جو شاہ لطیف کے رسالے میں ظاہر ہے سو زیادہ تر عربی اثر پر دار و مدار رکھتا ہے۔"(7)

شاہ لطیف کے کلام کے مطالعے کے بعد واضح طور پر اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ عربی زبان خاص طور پر قرآن، حدیث، اور عربی مقولات سے زیادہ متاثر تھے۔ جس کا اثر ان کی شاعری پر واضح طور پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی نہ صرف قرآن شریف کے حوالے سے عربی زبان سے آشنا تھے مگر مجموعی طور پر وہ عربی زبان پر دسترس رکھتے بھی تھے۔ جس کی شواہد ان کے کلام سے ملتے ہیں۔

"شاہ لطیف کا جنم ایک مذہبی خاندان میں ہو جس کی وجہ سے ان کے خاندان کی رغبت قرآن مجید اور حدیث شریف سے رہتی چلی آرہی تھی۔"(8)

خاص طور پر مشہور ہے کہ شاہ لطیف اپنے ساتھ جو تین کتابیں ساتھ رکھتے تھے ان میں ایک قرآن مجید بھی ہوا کرتا تھا۔ جس کو شاہ صاحب نے بڑے غور و فکر کے ساتھ پڑھا۔ شاہ لطیف کی شاعری میں ہمیں جابجا قرآن مجید کی آیات کے حوالے ملتے ہیں۔ عربی زبان کے حوالے سے ان کا مطالعہ نہ صرف قرآن مجید تک محدود نہیں تھا، بلکہ وہ اپنی شاعری میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی دانش کے نکات، عربی مقولوں، کہاوتوں، محاوروں، ضرب الامثال، تصوف کی اصطلاحین وغیرہ استعمال کی ہیں۔ شاہ صاحب کا عربی زبان کا وسیع مطالعہ تھا۔ اس حوالے سے آغا محمد یعقوب اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

"Shah Abdul Latif, the poet was student of Arabic Languages. He studied the Quran very thoroughly and with the aid of his knowledge of the Arabic Language he had grasped its meaning as well. He had the heart of an Arabic, for it. Thus Shah was quite conversant with the Quranic provisions. He had quoted thirty five verses of Quran in the Risalo. Simultaneously he had adequate knowledge of the traditions. All the Quranic verses and traditions have

been very appropriately quoted in the Risalo, and that is the proof of the poet's great learning. (9)

ترجمہ: شاہ عبداللطیف عربی زبان کے طالب علم تھے اس نے قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کیا ہوا تھا۔ وہ اپنے علم اور معلومات کی وجہ سے عربی زبان کے مفہوم اور معنی کو سمجھتے تھے۔ وہ بنیادی طور پر عرب دل رکھنے والی شخصیت کے مالک تھے یہی سبب ہے کہ انہوں نے اپنے کلام میں عربی کہاوتیں، اور قرآنی آیات استعمال کی ہیں۔ ان کے رسالے میں 35 قرآنی آیات کا حوالہ ملتا ہے۔ اور اس کے علاوہ عربی کہاوتوں کا ذخیرہ بھی ان کے کلام میں شامل ہے۔ یہ ساری قرآنی آیات، حدیث اور کہاوتیں ان کے رسالے میں بالکل صحیح جگہ اور صحیح مفہوم کے ساتھ استعمال کی گئی ہیں اور یہی بات شاہ صاحب کے علم وادارک اور اعلیٰ معلومات کا ثبوت ہے۔

شاہ لطیف کے رسالے کے پہلے سُر کلیان میں ایک ایسا بیت ملتا ہے جس میں کلام پاک ایک مکمل آیت استعمال کی گئی ہے۔

سوئي راھ رد كري سوئي رھنما
وَتعزُ مَن تشاءُ، وَ تُذِل من تشاءُ

ترجمہ: وہ راستہ روک لیتا ہے اور وہی ذات راہنما ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا ارشاد ہے اور وہی (اللہ) عزت دیتا ہے اور وہی (اللہ) ذلت دیتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ خیر، شر اللہ کریم کی طرف سے ہے۔ جو ہمارے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔

شاہ صاحب نے اپنے سُر رام کلی میں 11 مصرعوں والے ایک ہی بیت میں 5 آیات کا استعمال کیا ہے۔

مونا طور سينا، سند ستاسين
سجدي ۾، سيد چئي، گوڏا گودڙين
فكان قاب قوسين اوادنى تانا ائين نمن
كُل من عليها فان" باقي كين بچن
الله ولي الذين آمنوايخرجهم من الظلمات الى
النور" تا اهڙي پر پُرن

خر موسى سقعا” جوڳي جنگ جلن
مازاغ البصر و ماطغنى” اهڙي روش رون
مشاهدو محبصب جو اُتي آديسين
ري پسڻ ري سڻ ري وصال وهن
ري پرت ري ٻولڻ تا اهڙي چال چلن
سيد چئي سندين تون ڪل پڇين تو ڪهڙي؟

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خدا کے دو کمانوں جتنا قریب ہیں، بلکہ اس سے بھی کم جو دھرتی پر ہیں وہ سب فنا ہونے والے ہیں۔

اللہ ایمان والوں کے دوست ہیں اور اندھیرے میں سے نکال کر روشنی میں لاتے ہیں۔
حضرت موسیٰ خدائی تاب اور جلوہ برداشت نہ کر سکا اور گر گیا۔
نہ ہی نظر سے شرارت کی نہ ہی طغیانی (نافرمانی) کی

شاہ جو رسالو کا شاید ہی کوئی سُر ہو جس میں انہوں نے آیات قرآنی کا استعمال نہ کیا ہو۔ کچھ مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون (1)	(سر کلیان داستان اول)
فاذکرونی اذکرکم (2)	(سر کلیان داستان سوم)
الست بربکم (3)	(ایضاً)
واشکرولی ولاتکفرون (4)	(سر سری راگ داستان اول)
کل نفس ذائقۃ الموت (5)	(سر سری راگ داستان سوم)
لاتقنطوا من رحمۃ اللہ (6)	(سُر سوہنی داستان اول)
نحن اقرب الیہ من حبل الورید (7)	(سر سسی داستان پنجم)
ما رایت شیئا الا و رایت اللہ ()	(ایضاً)
فی انفسکم افلا تبصرون (8)	(ایضاً)

ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا(9) (سُر کوھیاری داستان سوم)

یوم یفر المرءُ من اخیہ (10) (سُر سری راگ داستان سوم)

آیات کی طرح شاہ جو رسالو میں عربی اقوال بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں: مثلاً

الدنیا جیفۃ وطالبھا کلاب (ایضاً)

طالب المولیٰ مذکر (سر سوہنی داستان اول)

من عرف نفسہ، فقد عرف ربہ (ایضاً)

الفراق اشد من الموت (سُر سسی آبری داستان پنجم)

العشق نار اللہ المرقدہ (ایضاً)

العشق حجاب بین العاشق والمعشوق (ایضاً)

چند مزید مثالیں ملاحظہ ہوں:

ان اللہ وتر یحب الوتر (سُر پربھاتی داستان 1، وائی 1)

یہ تمام مستعمل آیات کریمہ اپنے معنٰی اور مطلب کے لحاظ سے ابیات کے مصرعوں میں نہایت ہی خوبصورت اور اعلیٰ استعمال کے ساتھ کتب کئی گئی ہیں اور جو شعر کا سینگار اور بھی حسین بنا دیتے ہیں، ان کے استعمال اور خوبصورتی جڑت کو دیکھ کر شاہ صاحب کے عالمانہ فہم کا معترف ہونے سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ہے۔

شاہ صاحب کے کلام میں جو آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ مستعمل ہوئیں ہیں ذیل میں ان سے چند ایک نمونے درج کیے جاتے ہیں۔

پنھون تيس پاڻھين ويو سسئي جو سينگار
من عرف نفس فقد عرف ربه" اهوئي اُچار
جو وندر ۾ واپار سو سودو سرئس هٿهين

ترجمہ: اللہ کریم نے مرد کو عورت زینت قرار دیا ہے اس لیے شاہ نے فرمایا "پنوں سسی کی زینت تھا" اپنے نفس کو بیتہ رکھو اور اللہ کا نام بلند کرو کیونکہ جو آپ کے اندر میں ہے وہی صلہ آپ کو ملے گا۔

حدیث (جن سے اپنے آپ کو پہنچانا تو اس نے اپنے رب کو پہچانا)

جڏاءُ ڪن فيڪون چئي، نئو آريائي ارواح،
انگ اڳهين لکئو، مهجو ميشاقاءُ
من طلب شيئا وجدوجد“ اتو علي شاه

ترجمہ: میرا من اس ذات سے اُس وقت سے جڑا ہے جب کن فیکون فرمایا گیا کاتب تقدیر نے میرا رشتہ پہلے ہی اس سے جوڑ دیا جو میرا طلبگار تھا۔

ترجمہ: (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول: جو شخص کسی چیز کا طلب رکھتا ہے وہ ان کی کوشش کرتا ہے وہ حاصل کرتا ہے۔)

هيڪر هئڻ چڏ ته اوڏي تئين عجيب ڪي
مارايت شيئا الا واريت اللہ. نيئي اجها اڏاهيندا اڏ
ته هوت توهين ڪان هڏ، پرين پاسي نه ٿئي.

آڳي ڪئا اڳهين نسورئي نور
لاخوف عليهم ولا هم يحزنون، سچن ڪونهي سور
مولي ڪئو مامُورُ، الگ ازل ۾ ان جو

ترجمہ: اس میں قرآن پاک (2-62) کوئی بھی خطرہ اور خوف نہیں ہے اور نہ ہی ان کو دکھ ہوگا نہ ہی خوف ہوگا۔

احد احمد پاڻ ۾، وچان ميم فرق
ٿيا مستغرق، عالم انهين ڳالهہ ۾

ترجمہ: احد اور احمد میں صرف میم کا فرق ہے اور جہاں آج تک اس کی فرق کو جاننے میں غرق ہے۔

عاشق اللہ جي سدا وائي وات
تو جتي جي تات، تن پڻ آهي تنهنجي
”فاذڪُروني اذڪُرڪُم“، اي پروڙج بات

ترجمہ: عاشق کی زبان پر ہمیشہ اللہ کا ورد جاری رہتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے آپ مجھے یاد کریں میں آپ کو یاد کروں گا۔ کیوں الٰہی ذات کے اندر یہی فکر سمائی ہوتی ہے جو دوست دل میں رکھتے ہیں۔

سيوا ڪر سمونبر جي، جتي لهر ڏڪاءِ
”انما يُوفي الصابر ون“ اي بيڙي ٻنڊڻ پاءِ

ترجمہ: بے شک جو آپ کو یاد رکھتے ہیں تیری ذات اسے نہیں بھولتی۔

ان کی زندگی میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں جنھوں نے اپنے رب سے لو لگائی وہ صابر ہیں ان کی بیڑے پار ہوتی ہے۔ مکمل دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ شاہ لطیف کی شاعری پر عربی زبان کا کافی اثر ہے، کیونکہ سندھ پر عربوں کی 711ء تا 1010ء تک حکومت رہی ہے اور مجموعی طور پر بھی سندھی زبان وادب عربی زبان سے کافی متاثر ہوا ہے۔ اس وجہ سے شاہ لطیف کی شاعری میں عربی زبان کے کلمات کثرت سے پائے جاتے ہیں، نتیجے کے طور سندھی زبان عربی زبان سے کافی متاثر ہے، شاہ لطیف کی شاعری میں سے عربی الفاظ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ڈاکٹر ایچ ٹی سورلے اپنے تحقیقی مقالے میں لکھتے ہیں:

"شاہ عبد اللطیف کے رسالے میں قرآن شریف کے کتنے ہی حوالے اور کتنے ہی عربی لفظ موجود ہیں، سندھ میں مختلف ادوار میں اپنا صوفیانہ فکر بہت اہم رہا ہے۔"(10)

تون حبيب تون طبيب تون، درد جي دوا
جانب منهنجي جيءَ ۾ آزار جا انوا
صاحب ذي شفا ميان، مريضن کي

ترجمہ: تو حبیب ہے تو طبیب ہے اور تو ہی ہر درد کی دوا ہے۔ وہ ذات مریضوں کو شفا بخشتی ہے۔

تون حبيب، تون طبيب تون دارون کي دردن
تون ڏين، تون لاهين، ڏاترا! کي ڏکندن
تڏهن قڪيون فرق ڪن، جڏهن امُر ڪرين ان کي

ترجمہ: توہی حبیب اور توہی طبیب ہے اور توہی درد کا درمان بھی ہے۔ تیرا ذکر بیمار دل کے لیے دوا ہے۔ میں میں اس لیے آہ وزاری کر رہا ہوں کہ دوسروں سے میرا علاج نہیں ہو گا۔

اور ڏکندو اُوتي هادي جنه حبيب
تُر تفاوت نه ڪري تنه کي ڪو طبيب
رهنما رقيب، سائر آهي سپرين
واتر وتر وڏ وني ۾ مٽ مٽ منڊُ ٿيو
قدر ڪيف ڪمال، جو پياڪن پئو
اچن درس دُڪان تي، ڪنڌ قبول
ڪئو
سُرها سر ڏئو، چکن سرڪ سيد چئي

ترجمہ: ہر پیالے میں الگ الگ مزا اور ہر مٹکے کا جدا جدا مزہ، مے کی کیف و مستی کا جب مے خواروں کو اندازہ ہوا تو سر قربان کرنے کے لیے کشاں کشاں چلے آے ہیں۔ وہ سید کہے، سر کے بدلے مے پی کر مسرور ہوئے۔

پيشاني ۾ پرين جي ڀلائي جا پير
اگڻ اُڪندين جي ڏئي پاٻوهي پير
قمر پاڙي ڪير، سمس پرين سين

ترجمہ: میرے محبوب کی پیشانی میں بھلائی کے آثار ہیں جو مہجور ہیں، ان کے پاس یہ لطف و عنایت جاتا ہے۔ شمس و قمر، محبوب کے برابر نہیں۔

جيڪي منجهه جهان، سو تاري تڳي تنهنجي
لطف جئي، لطيف چئي، تو وٽ ڪمي ڪانه
عدل چٽان آن نه، ڪو قيرو ڪج فضل جو

ترجمہ: دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب تیرے سہارے ہے، لطیف کہے تیرے پاس لطف و کرم کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اگر عدل یعنی انصاف کیا تو میری نجات نہیں ہوگی، بس تیرا فضل و کرم چاہیے جس سے میری نجات ممکن ہے۔

خلاصہ

شاہ لطیف بھٹائی کا شمار دنیا کے صف اول کے شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ صاحبِ علم شخصیت تھے اور اپنے عہد کے صاحبانِ علم سے بھی ان کے تعلقات تھے۔ دین اسلام کی تعلیمات کے اثرات جن علاقوں میں زیادہ نمایاں ہوئے ان میں سندھ کی سرزمین انتہائی قابل ذکر ہے۔ شاہ لطیف کی شاعری میں عربی زبان کا بہت گہرا اثر ہے۔ شاہ لطیف کے رسالے میں زیادہ عربی اثر ملتا ہے اور ان کے کلام کے مطالعے کے بعد واضع طور پر اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ عربی زبان خاص طور پر قرآن، حدیث اور عربی مقولات سے زیادہ متاثر تھے۔ لہذا اس کے اثرات ان کی شاعری پر واضع طور پر دیکھنے کو ملتے ہے۔ شاہ لطیف کا تعلق بھی مذہبی گھرانے سے تھا اور ان کی رغبت قرآن مجید اور حدیث شریف سے مسلسل چلی آرہی ہے۔ شاہ صاحب نہ صرف قرآن مجید کے حوالے سے عربی زبان سے آشنا تھے بلکہ مجموعی طور پر عربی زبان پر دسترس رکھتے تھے اسی لئے ان کی شاعری میں عربی اثرات جابجا ملتے ہیں

الهوامش

1. نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر، شاہ جو رسالو، ہالا، بھٹ شاہ ثقافتی مرکز، 2009ء، ص31
2. محمد آصف خان، آکھیا بھلے شاہ نے، لاہور، پاکستان، پنجابی ادبی بورڈ، 2016ء، ص206
3. گربخشانی، ہوتچند، مولچند، شاہ جو رسالو، حیدر آباد، سندھ، جلد اول، 1979ء، ص9
4. ایاز حسین قادری، ڈاکٹر، سید وقاص حسین قادری، ڈاکٹر، کلام شاہ عبداللطیف بھٹائی، ترجمہ، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، 1993ء، ص، 91
5. نبی بخش خان بلوچ، ڈاکٹر، شاہ جو رسالو، ہالا، بھٹ شاہ ثقافتی مرکز، 2009ء، ص29
6. ایضاً، ص31
7. ایچ ٹی سورلے، بھٹ جو شاہ، سندھیکا اکیڈمی، کراچی، 1992ء، ص365
8. عباسی، تنویر، شاہ لطیف جی شاعری، کنڈیارو، روشنی پبلی کیشن، 2000ء، ص، 24
9. Agha Muhammad Yqaboob, Sahh Abdul Latif Bitai, the poet, Sindh quarterly, vol, vi, no. 4, 1977, Paksitan, Hirlad Press, P. 13
10. ایچ ٹی سورلے، بھٹ جو شاہ، سندھیکا اکیڈمی، کراچی، 1992ء، ص305

نوٹ: تمام ابیات ڈاکٹر نبی بخش خان بلوچ کے مرتب کیے گئے "شاہ جو رسالو" جلد 8 اور 9 سے دیئے گئے ہیں۔

حوالہ جات

1۔ سورۃ یونس،62/10
2۔ سورۃ البقرۃ،152/2
3۔ سورۃ الاعراف،172/7
4۔ سورۃ البقرۃ،152/2
5۔ سورۃ آل عمران،185/3
6۔ سورۃ الزمر،53/39
7۔ سورۃ ق 16/50
8۔ سورۃ الذاریات،21/51
9۔ سورۃ الزمر،53/39
10۔ سورۃ عبس،34/80